مولانا عطاء الرحمان شہیدؒ کے والد گرامی

تسلیم و رضا کے پیکر مجسم

مولانا انعام اللہ صاحب
ناظم تعلیمات جامعہ محمدیہ، اسلام آباد

وَ إِنَّ أَبَا عَطَآءٍ ذُوْ كُرُوْبٍ
يُعَزِّيْهِ جَمِيْعُ الْأَصْدِقَآءِ
وَرَاضٍ بِالْقَضَآءِ مِنَ الْإِلٰهِ
وَ قَاهُ اللّٰهُ أَهْلٌ لِلثَّنَآءِ

شیخ عطاء شہیدؒ کے والد گرامی کئی حوالوں سے غم و کرب سے دوچار ہیں اور تمام دوست احباب ان کو تعزیت کررہے ہیں، قضاء الٰہی پر راضی ہیں، اللہ ان کو اپنی حفاظت میں رکھے، قابل تعریف شخص ہیں۔

مولانا عطاء الرحمان شہیدؒ کے تمام متعلقین، شاگرد اور دوست و احباب جانتے ہیں کہ آپ کے والدین گرامی عمر کے اعتبار سے ”من شاب شيبةً في الإسلام كانت له نوراً يوم القيامة“ کے زندہ مصداق ہیں، بالخصوص والد گرامی جن کی عمر اس وقت ۸۰ سال ہے، شوگر و قلب کا عارضہ بھی لاحق ہے، ٹانگ ٹوٹنے کی وجہ سے صاحب فراش ہیں، انہی کی عیادت و تطییب قلب کی خاطر مولانا شہیدؒ بار بار گاؤں حاضری دیتے تھے۔ شہادت والے سفر کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ بوڑھے والدین کی زیارت، عیادت و خدمت کی سعادت حاصل کی جائے، ایسے میں یہ سفر ان کی اچانک موت کا پیام لے آیا، جو اعزہ و اقرباء، دوست احباب اور جان پہچان والوں کے علاوہ اجنبیوں کے لئے بھی ناقابل برداشت صدمہ کی شکل اختیار کر گیا۔ ایسے والدین کی کیا حالت رہی ہوگی، بالخصوص والد گرامی کی؟ اس لئے جس واقف حال نے بھی تعزیت کی غرض سے رابطہ کیا، پہلا سوال یہ کیا: مولانا کے والد صاحب کا کیا حال ہے؟ اس سوال کے پیچھے مولانا شہیدؒ کی زندگی بھر کا والدین کے

بارے میں حسن وسلوک پر مبنی طرزِ عمل مضمر ہے۔ آپؒ اپنے تمام متعلقین کو والد گرامی کی صحت و بیماری کے حالات کے بارے میں بتلاتے اور والد گرامی کو متعلقین کے احوال سے باخبر رکھتے۔ اس دوطرفہ حسن سلوک کا ہی نتیجہ تھا کہ ہر ایک دوست کو مولانا کے والد گرامی کے متعلق پریشانی لاحق رہی، جس کا اظہار وہ متذکرہ بالا سوال کی صورت میں کرتے رہے۔ سانحہ وقوع پذیر ہونے کے بعد واقعتاً یہی ایک اہم مرحلہ تھا کہ والد گرامی کو بیٹے، بیٹی اور خاندان کے ایک فرد کی طرح کے دوست کی اچانک المناک موت کی خبر سے کس طرح مطلع کیا جائے؟ ان کو مطلع کرنے کی جرأت کون کرے؟ اس اطلاع کے بعد وہ کس کیفیت سے دوچار ہونگے؟ مولانا شعیب صاحب جیسے بلند ہمت شخص نے تو دوٹوک انداز میں یہ ذمہ داری اٹھانے سے صاف انکار کردیا۔ میرے بھائی حافظ احسان اللہ نے اس تاکید کے ساتھ فون پر بات کروادی کہ ٹالنے کی کوشش کریں۔ کوشش تو کی، لیکن ایک ایسے سانحہ کی خبر کو کس طرح خفیہ رکھا جاسکتا تھا، جس کی نوعیت مرحومین کے مرثیہ خوانوں کے الفاظ میں کچھ یوں ہو:

هٰذَا لَعَمْرُ اللّٰهِ سَاعَةُ حَسْرَةٍ
وَتَوَجُّعٍ أَلَمًا عَلٰى لَأْوَآئِهٖ

ترجمہ: ''بخدا یہی الم وکرب اور افسوس کی گھڑی ہے جس کی شدت اور رنج و تکلیف مزید درد و اذیت کی باعث بن رہی ہے''۔

أَتٰى نَبَأٌ عَظِيْمٌ ذُوْشُجُوْنٍ
فَزَعْزَعَ كُلَّنَا قَبْلَ الْعِشَآءِ

ترجمہ: ''عشاء سے پہلے غم واندوہ والی بہت بڑی خبر آئی، جس نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا''۔

فَفِي الْغَبْرَآءِ وَ الْخَضْرَآءِ ضَجٌّ
وَضَوْضَآءٌ وَذَا وَقْتُ الْمَسَآءِ

ترجمہ: ''زمین کی وسعتوں اور آسمان کی بلندیوں میں چیخ و پکار اور شور وغوغا مچا ہوا تھا اور اسی وقت شام کے اندھیرے چھا رہے تھے''۔

یہ منظرکشی محض شاعرانہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت بھی یہی تھی، جدید ترقی کا کرشمہ کہئے کہ ہوا کے دوش پر الیکٹرانک میڈیا نے آنکھ جھپکنے میں ہر سو یہ خبر پھیلائی، جام شہادت نوش کرنے والے تمام مسافروں کے نام نشر ہونے لگے۔ مولانا شہید کا نام حادثہ کا شکار ہونے والی مشہور شخصیات میں

سرِفہرست آنے لگا۔مزید برآں ماموں جان (مولانا کے والد گرامی) جن کو بچپن سے ہی ماما جی کہہ کر پکارتے ہیں، کی عادت یہ ہے کہ وہ ہر بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتے ہیں، ہر معاملے کی تفصیلات سے باخبر رہنا چاہتے ہیں، قابل تحسین امور پر تحسین وتشجیع فرماتے ہیں، اور اصلاح طلب امور کی اصلاح وتصحیح فرماتے ہیں۔ بالخصوص روانگی کے وقت سفر کا شیڈول بتانے اور واپسی پر سفر کی روداد سنانے سے ان کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔مولانا عطاء الرحمٰن شہید رحمہ اللہ کو اپنے والد محترم کی اس عادت شریفہ کا خوب علم تھا۔تطییب قلب کے لئے آپ کو تفصیلات بتانے کا پورا پورا اہتمام فرماتے تھے، چنانچہ کراچی تا اسلام آباد تا بابوزئی اس (آخری) سفر کی تفصیل بھی ماما جی کو معلوم تھی۔انہوں نے اندازہ لگایا تھا کہ پانچ بجے جب کراچی سے روانگی کا وقت ہے، تو ے بجے اسلام آباد پہنچنا ہے، اور پہنچ کر ہی بذریعہ فون اپنی آمد سے مطلع کرنا ہے۔آٹھ بجے تک جب کسی قسم کی اطلاع نہیں ملی تو ان کا پریشان ہونا یقینی تھا، ان کے تمام مزاج شناس اس بات سے واقف تھے۔ برادرم حفظ الرحمٰن صاحب نے سانحہ واقع ہونے کے فوراً بعد ائیر پورٹ ہی سے مجھے بذریعہ فون بتایا کہ دا جی (والد محترم) سے ریڈیو ہٹوانے کا اہتمام کیا جائے، تاکہ ان کو خبرنامے کے ذریعے اطلاع نہ ہو، لیکن ان کی زیرک مزاجی سے واقفیت تھی، اس لئے میں نے عرض کیا، یہ کیسے ممکن ہے؟ اور اس سے تو ان کو پختہ یقین ہو جائے گا کہ کچھ نہ کچھ ہوا ہے۔ یہ اطلاع ان کو کیسے پہنچی؟ اور رات کیسے گزاری؟ بعد میں خود فرمانے لگے کہ آپ لوگ تو مجھے نہیں بتا رہے تھے اور میرے پاس رابطہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، میں چلنے پھرنے سے قاصر تھا، مولانا کی والدہ محترمہ نے کئی مرتبہ احمد الرحمٰن کو تلاش کیا، لیکن وہ بھی اپنے کمرے میں موجود نہیں تھے، لیکن مجھے رات آٹھ بجے ریڈیو کے خبرنامہ سے واقعہ کی اطلاع ہوئی، اور نو بجے کی خبروں میں ان کے نام بھی نشر ہونے لگے، میں اپنے بچوں کے نام پہچاننے میں کیسے غلطی کرتا؟ جب کہ ریڈیو والے وہی نام نشر کر رہے تھے، جو پیدائش کے وقت میں نے رکھے تھے۔اس تمام اذیت ناک صورتحال کے باوجود آپ صبر وحوصلہ اور تسلیم ورضا کا مجسم پیکر بنے ہوئے تھے۔رات ہی رات مولانا شہیدؒ کی والدہ کو تسلی دیتے ہوئے ماضی کے چند المناک واقعات کا حوالہ دیا کہ ان کو یاد کر کے اپنے غم کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کریں۔

بہرحال بڑھاپے، ضعف اور بیماری کی حالت میں المناک طریقے سے عظیم بیٹے، عزیز بیٹی اور گھر کے تمام افراد کے پیارے اور محبوب دوست (مولانا عرفان شہیدؒ) کی اچانک جدائی کی شدت کو بیان کرنے کے لئے کسی شاعر کی قادر الکلامی ہی کافی ہوسکتی ہے:

www.banuri.edu.pk

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَآئِبُ لَوْأَنَّهَا
صُبَّتْ عَلٰی الْأَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

ترجمہ: ''ایسی شدید مصیبتوں کے پہاڑ مجھ پر ڈھائے گئے، اگر دنوں کے اوپر ڈھائے جاتے تو وہ دن ان کی شدت کی وجہ سے راتوں میں تبدیل ہو جاتے''۔

یہ اشعار غالباً اس طرح کے حادثات کے لئے کہا گیا ہے۔

حادثے کے بعد ماموں جان کے شب و روز کیسے گزر رہے ہیں؟ کس طرح کی کیفیات و احساسات سے دوچار ہوتے ہیں؟ اس کا اندازہ ہروہ شخص لگا سکتا ہے، جو ان کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے نشست کرے۔ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے افراد خانہ اور دیگر دوست واحباب صاف طور پر محسوس کرتے ہیں کہ آپ مختلف اور متضاد کیفیات واحساسات کی حالت میں حیات مستعار کے باقی ماندہ لمحات اور شب و روز کاٹ رہے ہیں۔ پشتو، اردو اور فارسی ادب شناس ہیں، اور موقع شناس بھی، اس لئے اپنے احساسات و کیفیات کے اظہار میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں کرتے۔ حالِ دل کو زبانِ قال کے ذریعے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ اچھی طرح جانتے بھی ہیں کہ تکلیف اور درد کی حالت میں مومن کی شان کیا ہونی چاہئے، لیکن اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ مولانا شہیدؒ کی وفات سب کے لئے کتنا بڑا المیہ ہے۔ آس و یاس کی ان مختلف کیفیات سے جب گزرتے ہیں، تو مناسب حال واقعات اور اشعار سناتے ہیں۔ آنسوں تو تقریباً ہر وقت ان کی آنکھوں سے جاری رہتے ہیں، لیکن عموماً تسلیم و رضا والی کیفیت غالب رہتی ہے، اور جب بھی تعزیت کے لئے کوئی آتا ہے، تو ان کے سامنے زبان سے اس کیفیت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''رضا بالقضاء'' اور کبھی علامہ اقبالؒ کے اس شعر کا سہارا لیتے ہیں:

رہ رو را منزل تسلیم بخش
قدرت ایمان ابراہیم بخش

ایک عظیم بیٹے اور معصوم بیٹی کی اندوہناک طریقے سے اچانک جدائی کا صدمہ بوڑھے، نحیف اور صاحب فراش والدین کے لئے ناقابل برداشت کہنا بہت ہلکے الفاظ ہیں، ایسے غم کو سہنے والے ''صبر یعقوبی'' کا مصداق کہلانے کے حقدار ہیں۔ ماموں جان اپنے آپ کو اور ہم سب کو تسلی دینے کے لئے اس عظیم صدمے میں بھی مثبت پہلو تلاش کرتے ہیں۔ سانحے کے چوتھے پانچویں دن، جب زخم ابھی تازہ ہی تھا، میں نے ایک گھریلو مجلس میں افراد خانہ کے سامنے اس بات کا اظہار کیا کہ

درحقیقت ماموں جان مولانا شہید کی ہر ترقی پر انتہائی مسرت کا اظہار فرماتے، دوست احباب کو بتلاتے، حج وعمرہ کا یا کوئی اور دعوتی وتبلیغی سفر ہوتا، مدرسہ میں تدریسی حوالے سے اگلے درجات میں ترقی ہوتی، بلکہ مولانا شہیدؒ کی تو ساری ہی زندگی قابل رشک تھی، تو ماموں جان بہت خوش ہوتے اور اس خوشی کا اظہار بھی فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ شہادت کے ذریعے مولانا شہید کو ملنے والے مقام کا بھی مشاہدہ ان کو زندگی میں کرائیں، اس لئے اس ضعف کے باوجود اللہ نے اس سانحہ کا مشاہدہ ان کو کرایا، صدمے کو برداشت کرنے کی ہمت دی۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ ماموں جان کل خود بھی ایک بے تکلف قریبی دوست کے سامنے یہی بات ارشاد فرمارہے تھے۔ اگلے دن میں نے ان کے سامنے خیالات کے اس توارد وتوافق کا تذکرہ کیا، خاموشی سے سنتے رہے، میری بات ختم ہونے کے بعد کچھ دیر خاموش رہے، پھر ہاتھ کے اشارے سے حیرت واستعجاب کا اظہار کیا، روتے ہوئے پشتو زبان میں حافظ الپوری کے حسب ذیل اشعار سنائے، جو انہوں نے اپنے جوان عمر بیٹے ''اولیاء'' کی وفات پر کہے تھے۔

ھغه طوطی چه چغیده چغا اوس ولے نه کہ
مرگی یه مُہر په خلے تیخ دے گویا به نشی

ترجمہ: ''وہ چہچہاتا ہوا طوطی اب کیوں نہیں نہیں چہچہاتا؟ درحقیقت موت نے ان کے لبوں پر مہر خاموشی لگادی ہے، اس لئے اب کبھی بھی نہیں بولے گا''۔

سپین کٹه بازم په منگل ناست وو، ناسا په والوت
که درست جہاں پسے پره کمه نورا به نشی

ترجمہ: ''خوبصورت سفید باز میری کلائی پر بیٹھا ہوا تھا، جو اچانک اڑ گیا، اب اگر میں اس کی تلاش میں سارا جہاں چھان ماروں، تو واپس نہیں آئے گا''۔

اصلی گوہر زما دلاسه په دریاب کے ڈوب شه
که ڈک سِندُونه پسے اُوچ کڑمه پیدا به نه شی

ترجمہ: ''حقیقی گوہر نایاب میرے ہاتھ سے دریا برد ہوگیا، اب اگر میں موجیں مارتے ہوئے دریاؤں کے پانی کو بھی خشک کروں، اور ان کو ڈھونڈوں، تو نہیں ملے گا''۔

که په جہان کے نخے بشرے د مہریا نوشته دے
حافظ به ئے سه کاندے په سیر د (اولیاء) به نشی

www.banuri.edu.pk

ترجمہ:''اگر اس دنیا میں مہ جبینوں کے خوبصورت چہرے موجود ہیں، تو حافظ نے ان سے کیا لینا ہے؟ وہ میرے پیارے بیٹے''اولیآء''(عطاء) کی طرح خوبصورت نہیں''۔

رنج والم کی کیفیت میں ایک غمگین والد کی حقیقی دلی کیفیت کی برجستہ اور برمحل ترجمانی نے فضا کو سوگوار بنا دیا، اور ہم سب کے مصنوعی ضبط ٹوٹ گئے۔''افسردہ دل، افسردہ کند انجمنے را''۔ سانحہ کے بعد کم ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہے کہ ہم افراد خانہ حاضر خدمت نہ ہوئے ہوں اور ماموں جان کے رونے کی وجہ سے فضا سوگوار نہ ہوئی ہو۔

ماموں جان ساری زندگی شعبۂ تدریس سے متعلق رہے ہیں، بلا ناغہ ڈیوٹی سرانجام دینا اور بروقت مقام کار پر پہنچنا نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ہمیں بھی اس کی تلقین اور بوقت ضرورت سرزنش کرتے رہے ہیں۔ اس سانحہ سے پہلے جب بھی ہم لوگ، جو تقریباً سب کے سب مدارس دینیہ میں تعلیم وتعلم کے شعبہ سے منسلک ہیں، ملک کے اندر یا بیرون ملک مقام کار پر جانے کے لئے رخت سفر باندھتے، اجازت لینے اور الوداعی ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہوتے، تو سفر کی تفصیلات معلوم کرتے، خوشی کا اظہار فرماتے اور بالخصوص صاحب فراش ہونے سے پہلے کبھی بھی اظہار غم نہیں کیا، جیسا کہ عموماً ایسے مواقع پر کیا جاتا ہے۔لیکن سانحہ کے تقریباً پندرہ دن بعد جب مولانا شہیدؒ کے تین طالب علم بیٹوں کی کراچی جانے کے متعلق مولانا امداللہ صاحب نے ان کی رائے معلوم کی، تو بے اختیار ایسے روئے کہ سب حاضرین مجلس کو رلا دیا۔اسی مجلس میں مولانا امداللہ صاحب ایک اور معاملے کے بارے میں بھی مشاورت کرنا چاہتے تھے، لیکن ان کی حالت دیکھ کر اپنے اندر بات کرنے کی جرأت نہ پا سکے۔ ابھی چند دن پہلے میں نے خیریت دریافت کی، تو فرمانے لگے: پوری رات آنسو بہنے میں گزر جاتی ہے، جس کی وجہ سے بینائی مزید متاثر ہوئی ہے۔گویا'' یٰأَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ کَظِیْمٌ'' کے مصداق ہیں۔لیکن بایں ہمہ غموم وہموم، تسلی وتعزیت کے لئے آنے والے تمام مہمانوں سے صبر وحوصلہ سے بات کرتے ہیں، ان کی خیریت دریافت کرتے ہیں، حال احوال معلوم کرتے ہیں، اور تسلیم ورضا پر مبنی گفتگو فرماتے ہیں، اور دعاؤں کے ساتھ ان کو رخصت فرماتے ہیں۔مولانا کی شہادت کے بعد یہ معمول ہے کہ نماز عصر ومغرب مسجد میں با جماعت ادا فرماتے ہیں، اور درمیانی وقفہ مسجد ہی میں تشریف فرما رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ والدین کو اولاد کی جدائی کے اس غم کو تحمل وحوصلہ سے برداشت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، اور ان کا سایہ تا دیر ہم سب پر برقرار رکھیں۔آمین

www.banuri.edu.pk